یہ اختلاف کب تک؟

تالیف

الشیخ محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ

مشتاق احمد کریمی

موسس وصدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

طابع وناشر

الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

☆

پوسٹ بکس نمبر (۲۲) ضلع کٹیہار پن کوڈ (۸۵۴۱۰۵)، بہار

ٹیلی فون: ۲۳۴۹۳۲، فیکس نمبر: ۲۲۵۸۹۶، سٹی کوڈ: ۰۶۴۵۲

سلسلہ مطبوعات الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار (۱۳)

نام کتاب : **یہ اختلاف کب تک؟**

مولف : شیخ محمد بن صالح العثیمین ترجمہ: مشتاق احمد کریمی

سن طبع اول : ۲۰۰۴ء

صفحات : ۳۶

تعداد : ۱۱۰۰

تقسیم کار : معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار ۸۵۴۱۰۵

پروڈکشن : الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار فون ۲۲۵۸۹۶

کمپوزنگ : مکتب دعوت وتوعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض

طابع : سرورق ڈیزائن :

قیمت : ۱۰ روپئے

ملنے کا پتہ: ۱۔ معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔

۲۔ اپنا کتب خانہ، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔

۳۔ جنرل کتاب گھر، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔

۴۔ مکتبہ ترجمان، مرکزی جمعیت اہل حدیث ۴۱۱۶ جامع مسجد دہلی ۶۔

۵۔ مکتبہ جامعہ ابن تیمیہ، مسجد کالے خان، دریا گنج، نئی دہلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اختلاف وافتراق کب تک؟

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَمُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِیَ لَهُ، وَأشْهَدُ أنْ لاَإلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْکَ لَهُ، وَأشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أرْسَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْهُدٰی وَدِينِ الْحَقِّ، بِالْهُدٰی: بِالْعِلْمِ النَّافِعِ، وَدِيْنِ الْحَقِّ:بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ السِّدَادِ وَالصَّوَابِ، فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ، وَأدّٰی الأمَانَةَ، وَنَصَحَ الأمَّةَ، وَجَاهَدَ فِیْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ، فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلاَمُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإحْسَانٍ إلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ، أمَّا بَعْدُ:

مجھے انتہائی خوشی محسوس ہورہی ہے کہ میں آج کی رات (بدھ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ، شہر جدہ کے امیر متعب بن عبدالعزیز کی مسجد میں) اپنے کچھ بھائیوں سے ملنے کا شرف حاصل کررہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہماری اس ملاقات کومفیداور خیروبرکت کا ذریعہ بنائے،آمین۔

پیارے بھائیو! ہم سب پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہم گزشتہ چند سالوں سے رجوع الی اللہ،علم وعمل اورعقیدہ ہراعتبار سے ایک نئی بیداری، نیا جذبہ وولولہ اور نیا جوش ولہر کی زندگی محسوس کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہی امید ہے کہ مسلمانوں کے ہرطبقہ (نوجوان، ادھیڑ اور بوڑھے) میں کچھ افراد پائے جائیں جو

اس خالص و بے آمیز توجہ میں غرق رہیں کہ جس سے دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی اورعزت وغلبہ سے سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ اگرآپ اس بات کے لئے کتاب اللہ اورحقیقت واقعہ سے دلیل چاہتے ہیں تو بحمد اللہ یہ بات بالکل عیاں ہے، ارشادربانی ہے: ﴿**هُوَ الَّذِىْ أرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدىٰ وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلىٰ الدِّيْنِ كُلِّهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ**﴾ (التوبہ:۳۳)''اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اورتمام مذاہب پر غالب کردے، اگرچہ مشرک برامانیں''۔ ﴿**لِيُظْهِرَهُ**﴾ کامعنیٰ غالب اوراوپر کردینے کے ہیں، کیونکہ یہ ''ظہر'' سے مشتق ہے جس کے معنیٰ اوپر کے ہیں۔

اس لئے یہ دین دوسرے تمام ادیان و مذاہب پرضرور غالب ہوگا، مگرکس کے بل پر؟ ظاہر ہے اسلام کے ماننے والوں کے بل پر! اس لئے اسلام کے ماننے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے بل پر اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کرے گا، یہاںتک کہ سارے ادیان (یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر مذاہب) پر غالب کردے گا، اس لئے دین اسلام سب پر غالب ہوگا، لیکن ایک شرط کے ساتھ، اوروہ یہ کہ اسلام کے ماننے والے اس کے صحیح نمائندہ بن جائیں۔ اگرآپ اس کے لئے کتاب اللہ سے دلیل چاہتے ہیں تو حاضر ہے، ارشادالٰہی ہے: ﴿**وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ**﴾ (آل عمران:۱۳۹)''تم نہ سستی کرواور نہ غمگین ہو،تم ہی غالب رہوگے، اگرتم سچے مومن ہو''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿**وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ**﴾ کہا ہے، ﴿**وَأَنْتُمُ الْعَالُوْنَ**﴾ نہیں کہا ہے۔ اورعربی

زبان میں بصیرت رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ ﴿أعْلىٰ﴾ اسم تفضیل ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس صفت کے حامل لوگ واضح طور پر اپنے ہر ماتحت کے اوپر ہوں گے، یہانتک کہ اگر ماتحت لوگوں میں بعض دوسرے پر اوپر ہوں، تو ہم ان سب کے اوپر ہوں گے، لیکن کب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم سچے مومن ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اخیر میں ﴿إنْ كُنْتُمْ مُؤمِنِيْنَ﴾ ''اگر تم سچے مومن ہو'۔ جوڑا ہے۔

اگر آپ حقیقت واقعہ سے دلیل چاہتے ہیں، تو سن لیجئے اور جس نے بھی امت اسلامیہ کی پہلی صدی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ امت اسلامیہ اپنے اولین زمانوں میں جب وہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھی، وہ مشرق ومغرب کی مالک تھی۔ اس نے رومیوں کو شکست دی، ایرانیوں کو روندا، مصریوں کو تاراج کیا اور ہر اس قوم کو ہزیمت سے دوچار کیا جو اس کے مقابل آئی۔ اور تاریخ کا طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ ایران کے بادشاہ کسریٰ کا تاج جو تاریخ عالم کا عظیم ترین تاج تھا، مدائن سے مدینہ طیبہ خلیفۂ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ ہاں! کسریٰ کا وہ عظیم ترین تاج لاکر اس آدمی کے قدموں کے نیچے ڈال دیا گیا جس کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ کیونکر ممکن ہوا؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے دین کو عقیدہ، عمل، قول، دعوت، سیاست اور حکمرانی ہر اعتبار سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا ایمان نہ صرف امید وبیم کا ایمان تھا اور نہ سجاوٹ ودکھاوے کا، بلکہ اس کا ایمان اس کے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا

اور اس کی تصدیق اس کے اعمال کر رہے تھے۔ اس لئے امت اسلامیہ اس وقت مشرق ومغرب کی مالک تھی، جب وہ دین اسلام کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھی۔ آپ یہ بات تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ ابن اثیر کی **الکامل** اور ابن کثیر کی **البداية والنهاية** اٹھا کر دیکھ لیں۔

میرے پیارے بھائیو! دین اسلام ایسے مسلمانوں کا طالب ہے جو اس پر عقیدہ، قول اور عمل ہر اعتبار سے عمل کریں۔ اور سب سے زیادہ اہم بات جس سے اسلام کو عزت وغلبہ اور سربلندی حاصل ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ تمام مسلمان دین اسلام پر متحد ہوجائیں اور اللہ کی ہدایت کی پیروی کریں اور اپنے خواہشات کی پیروی نہ کریں، کیونکہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور امت اسلامیہ کے امکان سے یہ بات باہر ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر کوئی دوسری ہدایت کی طرف بھٹکتے پھریں۔

اور اللہ کی ہدایت کی صد فیصد ضمانت صرف قرآن کریم اور اس کے رسول محمد ﷺ کی سنت میں مضمر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے ان کو ان کے افتراق واختلاف کے بعد اتحاد واتفاق سے ممنون کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿**وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنْتُمْ عَلىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا**﴾ (آل عمران:۱۰۳) ''اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے

پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمہیں بچالیا''۔ بھائیو! ذرا اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خاص طور سے وصیت کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کریں جب ہم آپس میں دشمن تھے، تو اس نے ہمارے دلوں میں الفت ڈال دی۔

اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہوسکتا کہ امت جب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں، تو وہ ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جائے گی اور شکست در شکست کھاتی چلی جائے گی، تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد انصاریوں کو جمع کیا، اس غزوہ میں کافی مال غنیمت حاصل ہوا تھا اور آپ ﷺ نے تالیف قلب کے لئے سارا مال مشرکین میں تقسیم کردیا تھا اور اس میں سے انصاریوں کو کچھ نہیں دیا تھا۔ اس سبب سے بعض انصاریوں کے دل میں ایک طرح کا رنج ہوا اور بعض نے اس کا اظہار بھی کردیا کہ اس آدمی (رسول اللہ) نے اپنے ساتھیوں کو پایا، تو ان کو سارا مال غنیمت دے دیا، یا اس جیسی بات کہی۔ نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی پر قربان جایئے کہ آپ ﷺ نے ان کو ملامت نہیں کی اور نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی۔ آپ ﷺ نے ان سب کو جمع کیا اور حکم دیا کہ اس مجلس میں انصاریوں کے سوا دوسرا کوئی نہ بیٹھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی نصیحت کی، جس کا اثر یہ ہوا کہ آنسوؤں کی لڑیاں لگ گئیں اور ان کی داڑھیوں پر آنسو ٹپکنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت سے نوازا؟ ﴾ ہاں! یہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ لوگ گمراہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہدایت دے۔ انصاریوں نے

جواب میں کہا: ''ہاں! اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ کیا میں نے تم کو قلاش نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو غنی کر دیا؟ ﴾، انہوں نے جواب دیا: ''اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ کیا میں نے تم کو مختلف ٹولیوں میں متفرق نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے دلوں میں ایک دوسری کی الفت ومحبت ڈال دی؟ ﴾، انہوں نے جواب دیا: ''اللہ ورسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے''۔ نبی کریم ﷺ نے ان تینوں نعمتوں کا ان سے اقرار لیا، تو انہوں نے ان کا اقرار کرتے ہوئے جواب دیا: ''ہاں! اللہ ورسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے''۔

آپ غور کریں کہ نبی کریم ﷺ نے گمراہی کے بعد ہدایت، افلاس کے بعد مالداری کے ساتھ ہی افتراق واختلاف کے بعد اتحاد واتفاق کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ نعمت یعنی امت اسلامیہ کا اتفاق واتحاد سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور جب یہ سب سے بڑی نعمت ہے، تو یہ اپنے حاملین سے دو امروں کا سخت مطالبہ کرتا ہے:

پہلا امر: فرزندان اسلام سے اتحاد واتفاق اور عدم افتراق واختلاف کی سچی تڑپ وسوز اور ان کا ایک آواز ہونا، جیسے ان کا دین ایک، رسول ایک، قرآن ایک، مقصد ایک اور نصرت دین کی کوشش وسعی ایک۔

دوسرا امر: فرزندان توحید پر یہ واجب ہے کہ اس اتحاد واتفاق اور عدم افتراق واختلاف کو ہر اس بات سے اجتناب کر کے ثابت کریں کہ جس سے آپس میں بغض وعداوت، نزاع ورسہ کشی اور اختلاف رائے پیدا ہوتا ہو، کیونکہ اس میں

کوئی شک نہیں کہ عداوت، نزاع اور اختلاف رائے جیسے امور میں گھر جانے سے امت اسلامیہ کا اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

اور بہت سارے نصوص اجمالی وتفصیلی ہر دو اعتبار سے افتراق واختلاف کے اسباب وعوامل کے بارے میں وارد ہوئے ہیں اور آپسی تفرقہ بازی وگروہ بندی سے ممانعت پر آئے ہوئے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَلاَتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۴ تا ۱۰۵) ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ ڈالا''، یہ کہنے والا کون ہے؟ بے شک اس کا کہنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے ہم کو منع کیا ہے کہ مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ جائیں اور اسی نے منع کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کی طرح ہو جائیں جو مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے دین میں افتراق ان کافروں کی مشابہت ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿شَـرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصىّٰ بِهِ نُوْحاً وَالَّذِیْ أوْحَيْنَا إلَيْکَ وَمَا وَصَّيْـنَـا بِـهِ إبْـرَاهِيْـمَ وَمُوْسیٰ وَعِيْسیٰ أنْ أقِيمُوْا الدِّيْنَ وَلاتَتَفَرَّقُوْا فِيْـــهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کردی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم ،موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا''۔اس جملہ پر غور کریں کہ ''اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا''،جس دین کی طرف آپ انہیں بلارہے ہیں وہ تو ان مشرکین پر گراں گزرتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے رسول نوح علیہ السلام سے شروع کرکے آخری رسول محمدﷺ پر ختم کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: ﴿إنَّ الَّـذِيْـنَ فَـرَّقُـوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ، إنَّمَا أمْـرُهُـمْ إلیٰ اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (الانعام:۱۵۹)''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کردیا اور گروہ گروہ بن گئے ،آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ۔بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دے گا''۔کتاب اللہ کی مذکورہ آیات کریمہ اللہ کے دین میں تفریق سے ڈراتی ہے، کیونکہ تفریق کے بعد امت اسلامیہ کو کبھی بھی کامیابی وسربلندی نصیب نہیں ہوسکتی۔

اللہ کے دشمن کفار اور منافقین ،توجہ چاہتا ہوں کہ میں منافقین کہہ رہا ہوں ،آپ ان کا جو چاہیں نام رکھ لیں، ہر وہ آدمی جو یہ ظاہر کرے کہ وہ اسلام کا دوست ہے اور اسلام اس کے نزدیک عزیز ہے،لیکن اس کا عمل اس کے برخلاف ہے ،تو وہ

منافق ہے، گرچہ دور حاضر میں منافقین مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں، مگر مجھے ناموں سے غرض نہیں، صرف معنیٰ سے غرض ہے۔ ہاں! ہر وہ شخص جو یہ ظاہر کرے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کا عمل اسلام کے خلاف ہے، تو وہ منافق ہے اور: ﴿**إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ**﴾ (النساء: ۱۴۵) ''منافقین تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے''۔ اللہ تعالیٰ ہم کو جہنم سے نجات دے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام کے دشمن کفار اور منافقین جو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس وقت بہت خوش ہوتے ہیں جب وہ امت اسلامیہ میں افتراق و پھوٹ دیکھتے ہیں، خاص طور سے جب یہ افتراق علماء کے مابین دیکھتے ہیں اور پھر خاص طور سے جب یہ افتراق امت کے نوجوانوں میں دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعد اس امت کے مستقبل اور امید ہوتے ہیں۔

میرے بھائیو! ہمارے دشمن یہ پسند کرتے ہیں کہ ہم مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہیں اور وہ اس سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، کیونکہ جب ہم الگ الگ فرقوں میں بٹ جائیں گے، تو صرف یہی بات ہماری ناکامی اور کمزوری کے لئے کافی ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں۔

جب ہم میں ایک دوسرے بھائی کو گمراہ کہے، یا کافر کہے، یا اس سے نفرت کرے، تو ہمارے دشمن ہم سے تو یہی چاہتے ہیں، تو پھر ہم کیوں مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ جائیں اور ایسے مسائل میں اختلاف کریں جو افتراق اور دلوں کے اختلاف کا باعث بنے۔ ہم اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں، مثلاً جب خلیجی

بحران پیدا ہوا اور مشترک فوجی طاقتیں آ گئیں ، تو لوگوں نے بڑا اختلاف کیا اور آپس میں تنازعہ کا سلسلہ چل پڑا ، صرف ہمارے ہی ملک میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ۔ لوگوں نے تنازعہ کیا ، ہر آدمی اپنے خیال وذہن کے مطابق اندازہ لگا رہا تھا اور جو سمجھ میں آیا ، کہہ رہا تھا ۔ مگر ہوا کیا ؟ جہاں تک میرا خیال ہے ، خیر ہی ہوا ، جو اللہ نے مقدر کیا ہوا تھا ۔ بحران ٹل گیا اور ہم سعودی عرب میں خاص طور سے ان بہت ساری باتوں سے بچ گئے جن سے ہم ڈر رہے تھے ۔ وہ ہلاکت وخونریزی ، جس کا ہم خوف کھا رہے تھے ، کچھ بھی نہیں ہوا ، وہ اقتصادی بحران جس سے ہم ڈر رہے تھے ، بحمد اللہ کچھ بھی نہیں ہوا ۔ ہم جو سمجھ رہے تھے کہ یہ لڑائی انسانی جانوں کو چکی کی طرح پیس کر رکھ دے گی ، اللہ کے فضل سے یہ سب کچھ بھی نہیں ہوا ۔

لیکن یہ بحران جیسا کہ اس وقت کے لوگ جانتے ہیں ، اہلِ خیر کے مابین ایک نفسیاتی بحران کا سبب ضرور بن گیا ۔ ان نوجوانوں کے مابین بھی ، جن کی خیرخواہی پر ہم شک نہیں کر سکتے ، ان کی رائیں مختلف ہوگئیں ۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہ اختلاف رائے اختلاف قلوب کا سبب بن گیا ۔ اختلاف رائے انسان کے لئے عیب کی بات نہیں ، کیونکہ ایک انسان کسی معاملہ میں ایسی بات جان لیتا ہے جو دوسرا آدمی نہیں جان پاتا ۔ نیز اس پر کبھی ایسا امر مخفی رہ جاتا ہے جو دوسرے پر مخفی نہیں ہوتا ۔ لیکن تکلیف دہ اور بے چین کن بات یہ ہے کہ اختلاف رائے اختلاف قلوب تک منتج ہو جائے اور ہمارا ایک فرد دوسرے کا دشمن بن جائے ، اس سے نفرت کرنے لگے ، اس کے تعاون سے بیزار ہو جائے اور اس کی ہر خوشی سے رنجیدہ ہونے لگے ۔

پھر افغانستان کے جہاد کا بحران آیا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کر رکھا تھا وہ دردناک حادثات پیش آئے جس کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے، کیونکہ متضاد قسم کی خبریں آرہی ہیں، ہر شخص جو چاہتا ہے ایک نئی خبر اڑا دیتا ہے۔ ہاں! یہ بحران آیا اور اس نے بھی لوگوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر الگ الگ کر دیا۔ یہانتک کہ اس بحران سے بعض لوگوں سے ایسے امور پیش آئے جس کے ذمہ دار وہ خود تھے، کیونکہ انہوں نے دوسروں کے دین وعقیدہ پر حملہ شروع کر دیا۔ اور بے شک یہ انسان کے دین کے لئے نہایت خطرناک ہے کہ وہ ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگائے جو اس سے بری ہے، اور یہ معلوم ہے کہ جو کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے اور وہ حقیقت میں اس سے بری ہے، تو کفر خود اس پر لوٹ جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ بھی برا ہو اور وہ کافر ہو کر مر جائے۔ یاد رکھیں! کفر کا فتویٰ لگانا معمولی بات نہیں ہے، بہت ہی بڑی بات ہے۔ نیز کفر کا حکم لگانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اس کا سارا اختیار صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کو ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ حلال نہیں کہ ہم کسی پر کفر کا حکم لگائیں، الا یہ کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ٹھوس سند ہو۔

لیکن افسوس کہ یہ بحران ہمارے کچھ اخوان کے مابین گرما گرم بحث کا موضوع بن گیا، جن کی خیرخواہی، دینداری اور تقویٰ پر ہم شک نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہر آدمی کی بات قبول بھی کی جاتی ہے اور رد بھی کی جاتی ہے۔ اور کبھی انسان اپنے علم وتحقیق کی بنیاد پر کسی بات کو اس کی حقیقت کے خلاف تصور کر لیتا

ہے۔ ہاں! اگر وہ تھوڑا تحمل کا مظاہرہ کرتے، صبر کرتے اور جلد بازی سے کام نہ لیتے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ مجھے ان اخوان نے بتایا جو افغانستان کا سفر کر چکے ہیں کہ ہمارے یہاں سعودی عرب میں لفظی لڑائی خود وہاں افغانستان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے اور یہ نہایت افسوسناک بات ہے۔

اس قسم کے معاملات میں ہمارا یہ موقف ہونا نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک میں دنیا کی مشکلات کو منتقل نہ کریں، الا یہ کہ ایسے طریقہ پر کہ جس سے بلاشوروغوغا، نہایت امن وسکون اور اخلاص وصدق نیت کے ساتھ اس کا حل نکل آئے۔ لیکن اگر ایک شخص دوسرے کو گمراہ بتائے، یا کافر کہے، یا منبر ومحراب پر خطیب حضرات اپنے اختلافات کا اظہار کریں، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نہایت غلط ہے اور صحیح طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم معاملہ کی تحقیق کریں اور اس کو ان ذمہ داران پر چھوڑ دیں جو اس معاملہ میں تحقیق وتفتیش کرتے ہیں، یہانتک کہ جب ہم اس بارے میں کلام کریں تو پوری ذمہ داری اور اپنی زبانوں کو بچا کر نہایت وقار کے ساتھ کلام کریں۔ اب افغانیوں کے اس معاملہ کو ہم اپنے افتراق واختلاف کا اکھاڑہ بنالیں اور وہ بھی بلا دلیل وسند، تو یہ بالکل نامعقول، غیر مقبول اور ناپسندیدہ بات ہے۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ بڑی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان صرف ایک فریق کی بات مان لے۔ ہاں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ انسان صرف ایک فریق کی بات مان لے، کیونکہ جب آپ صرف ایک فریق کی بات لیں گے، تو یقیناً دوسرے فریق پر ظلم کریں گے اور

آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں ہوگا۔آپ ذرا اس واقعہ پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے ساتھ پیش آیا، انہوں نے ایک فریق کی بات لی، یہ اللہ کی طرف سے ان کا زبردست امتحان تھا، آپ جانتے ہیں وہ واقعہ کیا ہے؟

یہ داؤد علیہ السلام کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں فرمایا: ﴿**وَهَلْ أَتَاكَ نَبَؤُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوْا الْمِحْرَابَ إِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ، قَالُوْا لَاتَخَفْ خَصْمَانِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَاتُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ، إِنَّ هٰذَا أَخِيْ لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَلِيْ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِيْ الْخِطَابِ، قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ**﴾ (ص:۲۲ تا ۲۴) ''اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ہوئی؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آ گئے، جب یہ داؤد کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے، انہوں نے کہا: خوف نہ کیجئے، ہمارا آپس ہی میں جھگڑا ہے، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے، سنئے یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں میں اور میرے پاس ایک ہی ہے، لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک دنبی بھی مجھ ہی کو دیدے اور مجھ پر بات میں تیزی وسختی برتتا ہے، آپ نے فرمایا: ''اس کا اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک ایک ظلم ہے''۔

واقعہ اس طرح سے ہے کہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بہت کثرت سے عبادت

کرتے تھے، وہ اپنے محراب یعنی عبادت کی جگہ میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا، اور وہ لوگوں کے حاکم بھی تھے اور ایک حاکم کے لئے مناسب نہیں کہ لوگوں پر دروازہ بند کرلے۔ دو آپس میں جھگڑنے والے آئے، دروازہ بند پایا اور دونوں کا معاملہ بہت جلدی کا تھا، تو دونوں فریق نے کیا کیا؟ انہوں نے یہ کیا کہ دروازہ کے بجائے فصیل سے محراب کے اندر داخل ہوگئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَائْتُـوْا الْبُيُـوْتَ مِـنْ أَبْوَابِهَا﴾ (البقرہ:۱۸۹)''تم دروازہ سے گھروں میں آیا کرو''۔ جب دونوں فریق داؤد علیہ السلام پر داخل ہوگئے تو آپ ڈر گئے اور ڈرنے کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ آدمی دروازہ بند کیا ہوا ہے، پھر جب اس پر آدمی اچانک داخل ہوجائے، تو خوف کھانا یقینی ہے۔ تب انہوں نے خوف دور کیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے دوسرے فریق کی بات سننے سے قبل ہی فیصلہ سنا دیا، جبکہ فیصلہ کا دستور یہ ہے کہ قاضی دونوں فریق کی بات سنے۔ اور یہی سبب ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ کا امتحان سمجھا، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَظَـنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعاً وَأَنَابَ﴾ (ص: ۲۴) ''اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور پوری طرح رجوع ہوگئے''۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ سے متعلق جو اسرائیلی روایات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ایک سپاہی کی بیوی پسند آگئی اور انہوں نے اس سے شادی کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس

کے لئے انہوں نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ جنگ میں جائے، تا کہ وہ شہید ہو جائے اور اس کی بیوی سے داؤد علیہ السلام شادی کر سکیں۔ نعوذ باللہ۔ یہ واقعہ ایک نبی کی ذات کو داغدار کرتا ہے، ایسی حرکت تو ایک ادنیٰ آدمی بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ ایک بلند پایہ نبی کرے۔ یاد رکھیں یہ سب یہودیوں کی دسیسہ کاری ہے جو اس سے بڑھ کر انبیاء کرام کے ناحق قتل کے مجرم رہ چکے ہیں۔

یہ واقعہ ذکر کرنے کا مقصد اس عظیم اور اہم مسئلہ پر تنبیہ کرنا ہے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ افغان مسئلہ پر جو اخبار شائع ہوتے ہیں، ان میں صرف ایک جانب کو لیں، بلکہ واجب یہ ہے کہ دونوں جانب کو لیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ ان باتوں کو مجلسوں اور مسجدوں میں بیان کرتے پھریں اور ایک کی تائید اور دوسرے کی مخالفت کرتے رہیں۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ انسان خیر ہی کہے اور اگر اس کے پاس خیر کی بات کہنے کے لئے نہیں ہے، تو اسے خاموش رہنا چاہئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أوِ لْيَصْمُتْ﴾ (متفق علیہ) ''جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ یا تو خیر کی بات کرے، یا سکوت اختیار کرے''۔ ہمارے ملک میں درپیش یہ دو مثالیں ہیں جن پر لمبی چوڑی گرما گرم بحث ہو چکی ہے۔

یہاں ایک تیسری مشکل بھی درپیش ہے جو حال ہی میں ہمارے داعی اخوان کے مابین ظاہر ہوئی ہے، سب کی نیت کو ہم نیک ہی سمجھتے ہیں اور بحمد اللہ عوام میں ان کی کافی پزیرائی بھی ہے۔ وہ مشکل یہ کہ وہ ایک دوسرے پر کلام کرنے لگے ہیں، وہ یہ دعویٰ

کرتے ہیں کہ اس کا بھائی فلاں معاملہ میں جہالت و بے خبری کا شکار ہے، اس کا اندازہ درست نہیں، وہ حقیقت سے کوسوں دور ہے اور اسے حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ ہاں! بعض لوگ اس طرح کے معاملات میں لب کشائی کرنے لگے ہیں اور جن کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں، ان کے اوصاف کی تحدید بھی کر دیتے ہیں اور کبھی ان کا نام بھی لے ڈالتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں فریق داعی ہیں، نہ صرف وہ جس کے بارے میں لب کشائی کی جارہی ہے، بلکہ وہ بھی جو زبان چلا رہے ہیں اور دونوں فریق کی بات نوجوان طبقہ میں سنی جاتی ہے، اس کے باوجود ایک دوسرے پر طعن کر رہے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض علماء ودعاۃ کا بعض کے بارے میں طعن کرنے کا بہت بڑا نقصان ہے، کیونکہ یقیناً اس سے داعی کا وقار خواہ وہ کسی بھی درجہ کا ہو، گر جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی نفوس کبھی بلاسوچے سمجھے بعض باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب ایک داعی دوسرے پر طعن کرتا ہے، تو یقیناً اس سے دونوں کی قدر ومنزلت گھٹ جاتی ہے۔ اس کی بھی جس نے دوسرے پر ظلم ڈھایا اور اس کی بھی جس پر ظلم کا پہاڑ توڑا گیا، اور ان باتوں کے اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ پھر جب عوام اِس کی اور اُس کی باتوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں گے، تو دعوت کے کاموں میں بھی اعتماد کرنا ترک کر دیں گے، جس سے دعوت کا عظیم خسارہ ہوگا۔ اور جب وہ مطعون شخص ایک عالم ہو اور پبلک اس کی بات مانتے ہوں تو یہ طعن اس کی قدر ومنزلت کو گھٹا دیتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے علم کی قدر بھی گھٹ جاتی ہے اور اس سے شریعت کی بات ماننے میں بھی ملحوظ حد تک کمی

آ جاتی ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ہمارے اور اللہ کی شریعت کے مابین واسطہ یہی وارثین انبیاء علماء ہی ہیں۔ اب اس طعن سے خود شریعت کی اتنی قدر گھٹ جاتی ہے جس کے وہ حامل اور داعی ہیں، جتنا کہ خود ان کا وقار گر گیا ہے۔

اور ظاہر ہے یہ مجرمانہ حد تک خطرناک ہے، اگر طعن کرنے والا اس مسئلہ کی سنگینی کو جانے کہ اس کے سبب کیا کیا برے نتائج سامنے آتے ہیں، تو وہ ہرگز طعن نہ کرتے جس میں وہ گفتار کا غازی بنا ہوا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اس نے فقط ایک شخص کے ساتھ برا سلوک کیا ہے، مگر وہ نہیں جانتا کہ اس نے شریعت کے ساتھ برا سلوک کیا ہے، بلکہ یوں کہئے کہ اس نے شریعت کی عمارت ہی ڈھا دی ہے۔

اس لئے اے نوجوانو اور داعی بھائیو! آپ ایک دوسرے پر طعن کرنے سے اجتناب کریں اور اس ناروا حرکت سے گریز کریں۔ ہاں! کب تک طعن وتنقید کا نشانہ بناتے رہیں؟ جب بھی فتنہ کی آگ بجھی ہے، کچھ لوگ دوبارہ اسے جلانے کے فراق میں نکل کھڑے ہوئے۔ والعیاذ باللہ۔ یا اچھی نیت سے، مگر بے وقوفی اور ناسمجھی کے سبب، یا بری نیت سے۔ اور آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ جو شخص بھی آپ کے پاس آئے اور فلاں فلاں لوگوں پر طعن وتنقید کرے، تو اس کی نیت اچھی ہی ہوگی؟ کبھی نہیں۔ آپ نہیں جانتے، شاید وہ آپ کے دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہو اور آپ لوگوں کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہو، تاکہ آپ لوگ آپس میں اللہ کے کلمہ پر متحد نہ ہوسکیں۔

اور ایک افسوسناک بات یہ بھی ہے کہ بعض نوجوان جن کے پاس تھوڑا بہت علم

ہے، ایسے موقع کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ یہ بات اس سے کمتر وماتحت لوگوں پر مخفی ہے، اور جب ان کے پاس کچھ کچے ذہن کے نوجوان جمع ہوجاتے ہیں۔ مسجد میں یا گھر میں۔تو وہ ان نوجوانوں کو منتشر کردیتے ہیں، اس عظیم طاقت کو منتشر کردیتے ہیں کہ جس کا ایک تابناک اور روشن مستقبل ہے۔ انشاءاللہ۔ اسی طرح آپ بعض لوگوں کو پائیں گے کہ وہ اس قسم کے کچے اور چھوٹے نوجوانوں کی ناپختہ عقلوں کے ساتھ کھیلتے ہیں، وہ ایک دو حدیثوں پر کلام کردیتے ہیں، یا ایک دو آیتوں کی تفسیر کردیتے ہیں، تو یہ ناپختہ کار چھوٹے نوجوان سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں، نہایت گہرے علم والے ہیں، حالانکہ ان کی حقیقت: ﴿كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئاً﴾ (النور:۳۹) ''سراب کی طرح ہے جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا آدمی دور سے پانی سمجھتا ہے، لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا''۔ اس لئے اگر آپ حقیقت میں اللہ کے دین کی مدد ونصرت کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ آپ کو زمین میں اقتدار سے نوازے، تو اس اختلاف وافتراق، گروہ بندی اور فرقہ بندی سے بچئے، اجتناب کیجئے، دور رہئے اور یاد رکھئے کہ آپ کے آپس کا یہ اختلاف آپ کے دشمنوں کے مہلک ہتھیاروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں جو عقیدہ وعمل میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، ہاں! ہماری مخالفت کرتے ہیں ...... کام میں ......عبادت میں، تو ہم کیا کریں؟ کیا ہم ان کے ساتھ کلام کریں، یا خاموشی اختیار کرلیں اور ہر

شخص کواس کے حال پر چھوڑ دیں، یا کیا حکمت عملی اپنائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت دی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر تم حق کی تلاش میں سچے ہو تو آؤ، یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور جہاںتک میرا خیال ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ اگر نیت درست ہوگی، ارادہ خالص ہوگا، طریقہ اچھا ہوگا، تو وہ متفق ہو جائیں گے اور ناممکن ہے کہ پھر کوئی اختلاف ہو۔لیکن جب یہ ممکن نہ ہو، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر اتفاق نہ ہو سکے، تو ہم اس اختلاف پر غور کریں گے کہ آیا یہ اختلاف اس قسم کا ہے کہ جس میں انسان معذور سمجھا جاتا ہے، تو اس صورت میں اس اختلاف کو اختلافِ قلوب کا سبب بنانا ہرگز جائز نہ ہوگا اور اس اختلاف کو انگیز کرلیا جائے گا اور اس سے درگزرنا بہتر ہوگا، کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ کے دین کے نہایت ہی حریص تھے، اس طرح کے اختلاف کو اختلافِ قلوب کا موجب نہیں بناتے تھے۔

بطور مثال یہاں صحابۂ کرام کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ احزاب (خندق) سے فارغ ہوئے، تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو حکم دیا کہ آپ بنوقریظہ کے مقابلہ کے لئے نکلیں، کیونکہ انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا جو ان کے اور نبی کریم ﷺ کے مابین طئے پایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد یہاں کے یہودی قبائل سے معاہدہ کیا تھا۔ یہ تین قبیلے تھے، بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ سب نے ایک ایک کر کے معاہدہ توڑ دیا اور

سب سے آخر میں بنوقریظہ نے توڑا، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:
﴿لايُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ﴾ (بخاری: ۷/ ۴۰۷، مسلم: ۱۲/ ۹۷) ''تم میں کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ قبیلہ میں''۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا کیا مفہوم ہے؟ ایک مفہوم یہ ہے کہ ''کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ قبیلہ میں پہنچ کر، گرچہ سورج ڈوب جائے''۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بنوقریظہ کی طرف نکلنے میں جلدی کرو اور تیزی دکھاؤ''۔ اور یہی معنیٰ درست ہے۔ الغرض صحابۂ کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا۔ بعض صحابہ نے راستہ ہی میں عصر کی نماز ادا کر لی۔ اور بعض نے نماز کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ بنوقریظہ پہنچ گئے اور پھر وہاں مغرب کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ جب اس اختلاف کی خبر نبی کریم ﷺ کو دی گئی، تو آپ ﷺ نے اِس فریق کو کچھ کہا اور نہ اُس فریق کو ڈانٹ ڈپٹ کی، کیوں؟ اس لئے کہ وہ مجتہد تھے اور آپ کے فرمان میں دونوں باتوں کا احتمال تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں ایک دوسرے سے عداوت ونفرت کی؟ جواب یہ ہے کہ نہیں! حالانکہ مسئلہ بڑا سنگین ہے، وہ مسئلہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ان لوگوں نے نمازِ عصر کو مؤخر کیا جسے قرآن میں ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کہا گیا ہے جو نمازوں میں نہایت عظیم نماز ہے۔ اس عظیم نماز کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے قصداً نماز کو وقت سے مؤخر کیا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ یہ تاخیر اجتہاد کے سبب تھی جس میں ان کو معذور سمجھا گیا۔

لیکن نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس

سے بھی چھوٹے مسئلہ میں، بلکہ نہایت ہی چھوٹے مسئلہ میں اختلاف کو عداوت ودشمنی کا سبب بنا لیتے ہیں، یہاں ہم صرف دو مثالیں بیان کرتے ہیں:

پہلی مثال: ایک امام کے پیچھے دو مقتدی نماز پڑھتے ہیں، ایک نے سجدہ کرتے وقت اپنے گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے رکھا اور دوسرے نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا۔ اختلاف ہوا کہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے سے عمل میں اختلاف کیا۔ لیکن بعض لوگ اس عملی اختلاف کو قلبی اختلاف کا سبب بنا لیتے ہیں۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس بھائی کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس نے اس کے ساتھ ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ یہ بالکل ناجائز، قطعاً حرام اور اللہ کے دین میں تفرقہ بازی ہے۔

اگر دونوں میں سے ہر ایک حسن نیت کے ساتھ معروف ہے اور اس نے جو کچھ بھی عمل کیا وہ اس کی اجتہادی غلطی ہے، تو ہمارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ ہم دوسرے کو گمراہ کہیں، بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر اس نے دلیل کے تقاضوں کے مطابق میری مخالفت کی ہے، تو اس نے میری موافقت کی ہے۔ وہ کیسے؟ جواب یہ ہے کہ جب دلیل کی روشنی میں میری مخالفت کر رہا ہے، تو وہ میری تائید کر رہا ہے، کیونکہ میں بھی تو اس کی مخالفت دلیل کی روشنی میں کر رہا ہوں۔ پھر ہم دونوں نے اختلاف کہاں کیا؟ ہر ایک نے دلیل کی روشنی میں عمل کیا، پھر اختلاف کہاں پا گیا؟ یہاں تو سرے سے اختلاف ہی نہیں۔

دوسری مثال: دو آدمی ایک دعوت ولیمہ میں مدعو تھے، اور دعوت میں اونٹ کا

گوشت تھا، دونوں نے یہ گوشت کھایا اور دونوں نماز کے لئے اٹھے۔مگر ایک نے وضو کیا اور دوسرے نے نہیں کیا۔ یہ بڑا مسئلہ ہے۔جس نے وضو کیا، اس کے خیال میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور جس نے وضونہیں کیا، اس کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

اس مسئلہ کا اختلاف بہت بڑا ہے، کیونکہ جس کی رائے میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ بلا وضو کئے نماز ادا کرے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ یقیناً یہ مسئلہ بڑا سنگین ہے، کیونکہ اگر وہ بلا وضو کئے نماز پڑھے تو گویا اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔اب بعض لوگ اس اختلاف کو اختلاف قلوب کا سبب بنا لیتے ہیں، جبکہ واجب تو یہ تھا کہ یہ اختلاف، اختلاف قلوب کا سبب نہ بنتا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہوں جس نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کئے بغیر نماز پڑھائی، کیوں؟ جواب یہ ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ یہ نماز اس کے حق میں صحیح اور درست ہے۔اور اگر میں بلا وضو کئے نماز پڑھتا، اور میرا عقیدہ ہوتا کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، تو میری نماز باطل ہوجاتی۔ پھر یہ بالکل جائزنہیں ہوسکتا کہ میں اس آدمی سے بغض وکینہ رکھوں، یا اس سے عداوت رکھوں، یا اس سے نفرت کروں؟ کیونکہ یہ سب اجتہادی مسائل ہیں جن میں اجتہاد و اختلاف رائے کی گنجائش نکلتی ہے۔مجتہد اگر صحیح اجتہاد کر لیتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے، اور اگر غلطی کر جاتا ہے تو وہ ایک اجر کا ضرور حقدار ہوتا ہے۔(مسلم)۔

اس قسم کے بہت سارے مسائل ہیں۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی اور کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، اکثر علماء کے نزدیک اس کے اس طرح طلاق دینے سے اس کی بیوی بالکل حرام ہو جاتی ہے اور اس کے لئے وہ قطعاً حلال نہیں رہتی، یہانتک کہ دوسرا آدمی اس سے نکاح کر لے۔ اب اگر اس کا پہلا شوہر جس نے طلاق دی ہے اس عورت سے دوبارہ نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور بعض علماء کی رائے کے مطابق یہ طلاق صرف ایک طلاق شمار ہوگی اور اس کے شوہر کو یہ اختیار ہوگا کہ عدت کے اندر بلا نکاح اس سے رجوع کر لے، یا عدت گزر جانے کی صورت میں نئے نکاح سے رجوع کر لے۔ اس صورت میں پہلے مسلک کے علماء کے مطابق اس عورت سے مجامعت زنا میں شمار ہوگا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ایسی عورت سے مجامعت کی ہے جو اس پر حرام تھی۔ لیکن دوسرے مسلک کے علماء کے مطابق جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے ہیں، وہ عورت اس کے لئے بالکل جائز و حلال ہے اور اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔

آپ غور کریں کہ یہ اختلاف گھٹنہ سے پہلے ہاتھ رکھنے، یا ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھنے والے اختلاف کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ جب اس اختلاف کی گنجائش ہے، تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس اختلاف مسلک کو اختلاف قلوب کا سبب بنالیں۔

اس طرح کے بہت سارے مسائل ہیں، جن کا حصر یہاں ممکن نہیں، لیکن میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرتا ہوں کہ اس وقت کوئی ایسا مسئلہ ہے جس میں

اختلاف ہو، یا جس میں اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہا جا رہا ہے۔ یہاں پر شیخ موصوف نے اپنی عادت کے مطابق حاضرین سے سوال کرنا شروع کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کوئی ایسا مسئلہ ذکر کریں جس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور اس کے سبب ایک دوسرے کو گمراہ کہا ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسلامی جماعتوں کی کثرت نے، مثلاً تبلیغی جماعت، اخوان المسلمون، جہادی جماعت، سلفی جماعت اور سروری جماعت، تو شیخ موصوف نے فرمایا: ان جماعتوں کے لوگوں سے اگر ہم یہ سوال کریں کہ آپ کے اعتقاد کے مطابق آپ حق پر ہیں، یا باطل پر؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پھر دوسرا سوال کریں کہ آپ حق کو چاہتے ہیں، یا باطل کو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم حق کو چاہتے ہیں۔ پھر تیسرا سوال کریں کہ آپ لوگ معصوم ہیں، یا غیر معصوم؟ اگر وہ جواب میں یہ کہیں کہ وہ معصوم ہیں، تو وہ یقیناً اپنے جواب میں غیر معصوم ہیں۔ اور اگر کہیں کہ ہم غیر معصوم ہیں، تو ہم کہیں گے بحمد اللہ ہم یہی چاہتے ہیں۔

ہم ہر جماعت کے لوگوں سے مذکورہ تینوں سوال کریں، اگر جواب بھی مذکورہ جواب ہوں، تو ہم کہیں گے کہ اب آپ لوگ متحد ہیں، اب آپ لوگ متفق ہیں۔ اس لئے آپ سب لوگوں پر ضروری ہے کہ اس طریقہ پر رجوع کریں جس پر ہمارے سلف صالحین گامزن تھے۔ پھر ہم ان پر سلف صالحین کے طریقئہ کار کو پیش کریں گے۔ اگر ان کا اختلاف سلف کے طریقہ کے موافق ہے، تو وہ درست ہے۔ اور اگر سلف صالحین کے طریقہ کے مخالف ہے، تو وہ یقیناً غلط اور باطل ہے، خواہ وہ

فیصلہ تبلیغی جماعت کے حق میں ہو، یا سلفی جماعت کے حق میں، جہادی گروپ کے حق میں ہو، یا جماعت اسلامی کے حق میں۔ (اخوان المسلمون کے حق میں)۔

اور اس وقت ضروری ہوگا کہ ہر وہ شخص جس کی غلطی واضح ہوگئی ہے کہ وہ صحیح بات کی طرف پلٹ آئے، ارشاد ربانی ہے: ﴿**فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوْا فِیْ أنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً**﴾ (النساء:٦٥) ''سو قسم ہے آپ کے رب کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی و ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں''۔ اب ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر جماعت اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہ جائے گرچہ وہ دوسری جماعت کے مقابلہ میں غلطی سے مامون ہو۔ میری دعوت یہ ہے کہ ساری جماعتوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف بلایا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بحمد اللہ اب مسئلہ واضح ہوگیا ہے، اب خاموش رہنا بھی غلط ہے۔ ایک دوسرے کو گمراہ کہنا بھی غلط ہے اور دوسرے پر حکم لگانے میں جلد بازی بھی غلط ہے۔ اور سب سے خطرناک بات وہ ہے جو جہادی گروپ والوں کے بارے میں سنتا ہوں، اور جو کچھ میں نے سنا ہے اگر وہ درست ہے، اور وہ یہ کہ ان کے یہاں دھڑلے سے کسی کو کافر کہہ دیا جاتا ہے، یہاںتک کہ وہ اس کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں جو کافر نہیں ہے اور اس کو بھی جس پر کفر کا اطلاق قطعاً درست نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ کفر کا حکم لگانے کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمدﷺ کو حاصل ہے، اسی طرح کسی چیز کے حلال یا حرام کے حکم لگانے کا اختیار بھی صرف اللہ اور اس کے رسولﷺ کو حاصل ہے۔ جس طرح کوئی بلا شرعی دلیل کے یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ چیز حرام ہے، اسی طرح کوئی بھی بلا شرعی دلیل کے یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ یہ کام کفر ہے اور وہ کام کفر نہیں ہے۔

مزید براں پھر یہ بات بھی نہیں کہ جو بھی کلمۂ کفر کہے، اس پر کفر کا حکم لگا دیا جائے، کیونکہ انسان کبھی کلمۂ کفر کہتا ہے مگر اسے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ کوئی ایسا شرعی مانع موجود ہے جو اس پر کفر کا حکم لگانے سے روک رہا ہے۔ اور اس طرح کے موانع بہت ہیں اور ان میں سے ایک مانع، بلکہ یوں کہئے کہ سب سے بڑا مانع اس کی جہالت ہے اور کبھی انسان جہالت کی بنیاد پر کفر کر بیٹھتا ہے، یا کفر یہ بات کہہ ڈالتا ہے۔ تو کیا اب ہم اسے کافر قرار دیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! جب تک ہم سمجھا بجھا کر اس پر حجت قائم نہیں کر دیں گے۔ پھر جب سمجھانے کے بعد وہ اصرار کرتا جائے تو اس پر اس کے عمل کے تقاضوں کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

اکثر ایسے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں سود جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تجارتی واستثماری سود جائز ہے، یعنی بقول ان کے جس سے استثمار اور اقتصادی ترقی مقصود ہو، وہ سود جائز ہے اور حرام سود صرف وہ صورت ہے جو ظلم واستحصال کو شامل ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤسُ أمْوَالِكُمْ لاَتَظْلِمُوْنَ وَلاَتُظْلَمُوْنَ﴾

(البقرہ: ۲۷۹) ''اگر تم توبہ کرلو، تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی حق ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔ اب کوئی عالم کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تجارتی واستثماری سود میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ جائز ہے، تو بعض لوگ بلاسوچے سمجھے جلد بازی میں یہ حکم لگادیتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہو گیا ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے سود کو حلال کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صراحت کے ساتھ ﴿وَحَـــــرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرہ: ۲۷۵) ''سود کو حرام قرار دیا ہے''۔ اور جو سود کو حلال کہے، تو اس کا یہ قول اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلا رہا ہے اور اللہ کو جھٹلانا کفر ہے۔

ہم ایسے آدمی سے کہیں گے کہ تم جلدی مت کرو، ممکن ہے اس شخص نے یہ بات اپنی اجتہادی غلطی کی بنیاد پر کہی ہے، جس میں اس سے چوک ہوگئی ہے۔ اس لئے پہلے اس شخص پر حجت قائم کرو، اس سے کہو، جو یہ کہتا ہے کہ سود تو صرف اس صورت میں حرام ہے جب وہ ظلم واستحصال کو شامل ہو، کہ: آپ اس حدیث پاک کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو صحیحین میں آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں فرمایا ہے: ﴿اَلـذَّهَـبُ بِـالـذَّهَـبِ، وَالْـفِـضَّـةُ بِـالْـفِـضَّـةِ وَالْبُـرُّ بِالْبُرِّ وَالتَّمَرُ بِـالتَّـمَـرِ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَداً بِيَدٍ﴾ (بخاری: ۴/ ۳۱۱، مسلم: ۱۲/ ۸) ''سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جَو کا جَو سے، کھجور کا کھجور سے، اور نمک کا نمک سے اس طرح ہونا چاہئے کہ جیسے کا تیسا، برابر برابر اور دست بدست ہو''۔ ان الفاظ کے ساتھ، یا اس مفہوم ومعنیٰ کی حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اب

سوال یہ ہے کہ ﴿اَلـذَّھَـبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ﴾ عام ہے یا خاص؟ ظاہر ہے کہ یہ عام ہے چاہے جس طرح ہو، رضامندی سے ہو، یا ظلم واستحصال سے۔ اسی طرح ﴿اَلْبُـرُّ بِـالْبُرِّ﴾ اور ﴿اَلتَّـمَـرُ بِـالتَّمَرِ﴾ بھی عام ہے اور ﴿اَلشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ﴾ بھی عام ہے، اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔

پھر اس عالم سے کہو کہ آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو سنت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس خیبر کی عمدہ کھجور لائی گئی، آپ نے دریافت فرمایا کہ: کیا خیبر کی ساری کھجور ایسے ہی عمدہ ہے؟ صحابۂ کرام نے کہا کہ نہیں! ہم دو صاع کے بدلہ میں اس کھجور کی ایک صاع لیتے ہیں اور تین صاع کے عوض دو صاع۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ عین سود ہے، تم ردی کھجور کو درہم سے بیچ دو، پھر درہم سے عمدہ کھجور خریدو''۔ اب بتایئے کہ کیا اس میں بھی ظلم واستحصال ہے؟ جب آپ ایک صاع عمدہ کھجور کے بدلہ دو صاع ردی کھجور لیتے ہیں، تو کیا یہ بھی ظلم ہے؟ جواب یہ ہے کہ ''یہ ظلم نہیں ہے''۔ کیونکہ دونوں کی قیمت برابر ہی ہے اور اس میں کوئی ظلم نہیں ہے، گرچہ ردی کھجور مقدار میں زیادہ ہے مگر عمدہ کھجور مقدار میں کم ہونے کے باوجود اس سے صفت (قیمت) میں زیادہ ہے، پھر اس میں ظلم کا سوال ہی نہیں، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿أَوَّهْ، عَیْـنَ الـرِّبَـا، عَیْنَ الرِّبَا﴾ (بخاری ۴/۳۳۱) ''ہائیں، یہ عین سود ہے، قطعی سود''۔

اس وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ جس شخص نے یہ کہا: ''جس سود میں ظلم نہ ہو وہ حلال ہے''۔ اس نے اجتہاد میں غلطی کھائی ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اللہ

کے رسول ﷺ سے بڑھ کر نہیں جان سکتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے اسے سود قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ (اس لئے تجارتی واستثماری سود کو جائز کہنے والوں کو اپنے فتویٰ پر نظر ثانی کر لینا چاہیئے)۔

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی نے مارے خوشی کے غلطی کر دی''۔ یعنی جب وہ اونٹنی کی واپسی سے مایوس ہو کر سو گیا اور جب اٹھا تو دیکھا کہ اس کی اونٹنی کھڑی موجود ہے، تو اس خوشی میں اس کی زبان بے قابو ہو گئی اور وہ ﴿**أنـتَ عَبْـدِيْ وَأنَا رَبُّکَ**﴾ ''تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' کہہ بیٹھا، جبکہ وہ ﴿**اَللّٰھُـمَّ أنْـتَ رَبِّيْ وَأنَا عَبْدُکَ**﴾ ''اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں'' کہنا چاہتا تھا۔

چنانچہ اگر کوئی انسان سبقت لسانی کے سبب غلطی سے کلمۂ کفر کہہ بیٹھے، تو اسے ہرگز کافر نہیں قرار دیا جائے گا، البتہ اگر وہ بطور مذاق، یا بطور استہزاء کلمۂ کفر کہے، تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ انسان کبھی زبان سے بے خودی میں کلمۂ کفر کہہ دیتا ہے، لیکن شرعی موانع کے سبب اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح کفر سے موانع میں ایک ''جبر واکراہ'' (مجبور کیا جانا) بھی ہے، اس لئے اگر کسی شخص کو کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کر دیا جائے، تو کیا اس سے وہ کافر قرار پائے گا؟ جواب یہ ہے کہ نہیں! کیونکہ قرآن کہتا ہے: ﴿**مَـنْ کَـفَـرَ بِـاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إيْمَانِهِ إلَّا مَنْ أكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْراً فَعَلَيْهِمْ**

﴿غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (النحل:١٠٦) ''جوشخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے''۔ پس میں کہتا ہوں کہ بعض لوگ آدمی پر کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی کرتے ہیں جو حقیقت میں کفر کا اہل نہیں ہے۔

کفر سے موانع میں ایک مانع یہ بھی ہے کہ انسان بلاقصد وارادہ اور بے خودی میں کلمۂ کفر کہہ بیٹھے، مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جب توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک چٹیل میدان میں ہوتا ہے، اس کا جانور اس سے بدک جاتا ہے، جس پر کھانے پینے کا سارا سامان لدا ہوا تھا، وہ اپنی سواری سے بالکل مایوس ہوکر ایک درخت کے سایہ میں سو جاتا ہے، جب وہ بیدار ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے پاس کھڑی موجود ہے، وہ اس کی لگام پکڑ لیتا ہے اور مارے خوشی کے بے خودی میں کہتا ہے: ﴿اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّکَ﴾ ''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں''۔ بتائیے کہ یہ کلمۂ کفر ہے، یا کلمۂ ایمان؟ ہاں! یہ کلمۂ کفر ہے! کیا آپ اللہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں؟؟ یہ کلمۂ کفر ہے، لیکن اس نے بلاقصد وارادہ اور بے خودی میں کہا ہے، جس سے وہ ہرگز کافر نہیں ہوسکتا۔

الغرض میں اپنے مسلمان بھائیوں کو گروہ بندی، فرقہ بندی اور اختلاف وافتراق چھوڑ کر آپس میں پیار ومحبت اور اتفاق واتحاد کے ساتھ رہنے کی دعوت دیتا

ہوں اور اس امر کی بھی دعوت دیتا ہوں کہ ایک بھائی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں اختلافی مسائل اور اختلافی معاملات میں پورے کنٹرول، وقار وسکون اور اخلاص کے ساتھ زبان کھولے، اگر اس کی نیت اچھی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ ان میں اتفاق واتحاد کا راستہ سہل تر بنا دے گا۔

میں دوبارہ کہتا ہوں کہ جب یہ معلوم پڑ گیا کہ کفر کا حکم لگانے میں جلد بازی جائز نہیں ہے، کیونکہ کفر کا حکم لگانے کے لئے تمام موانع کا نہ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تمام شرائط پائے جائیں اور سارے موانع نہ پائے جائیں تو اس وقت کفر کا حکم لگایا جائے گا، اگر اس پر کتاب وسنت کے دلائل موجود ہیں۔

کفر کا حکم لگانا ہمارا حق نہیں ہے، اس کا سارا حق واختیار صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ کیونکہ یہ نہایت عظیم واہم حکم ہے جس سے بہت سارے احکام وابستہ ہیں، کیونکہ کافر نعوذ باللہ مرتد ہوتا ہے، اگر وہ اصل میں مسلمان تھا، اور مرتد جو اپنی اصل پر قائم نہیں ہے اور جو اسلام کا صرف زبان سے مدعی ہے، اگر وہ اسلام میں دوبارہ واپس آجائے جس سے وہ خروج کر چکا تھا، تو وہ اپنی جان کو محفوظ کر لے جائے گا، ورنہ اس کا قتل واجب ہوگا۔

اور مشہور اختلاف میں (اور یہ ہمارے ملک میں کم ہے اور دوسرے مما لک میں زیادہ ہے) نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دونوں ہاتھوں کو لمبا چھوڑ دینے، یا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنے کا مسئلہ ہے۔ کیا سنت دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دینا ہے، یا بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو دوبارہ رکھ لینا ہے؟ یہ علماء کے درمیان موضوع

اختلاف بنا ہوا ہے۔اور تاہم بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے مخالف کو دیکھتا ہے، تو اس کے دل میں اس کے خلاف حقد وکینہ بھر جاتا ہے اور اس سے بغض وعداوت رکھنے لگتا ہے۔ یہ غلط ہے، یہ خطا ہے اور یہ بالکل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔کبھی انسان اجتہاد کرتا ہے اور صحیح اجتہاد کرتا ہے، اور کبھی وہ غلط اجتہاد کر بیٹھتا ہے مگر دونوں ہی کو اجر ملتا ہے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ غلطی کر جانے والے کو ایک اجر ملتا ہے اور صحیح ودرست اجتہاد کرنے والے کو دوہرا اجر۔

اختلافی مسائل میں ایک جلسۂ استراحت والا مسئلہ بھی ہے، جو دوسری رکعت، یا چوتھی رکعت کے لئے قیام کے وقت تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔اس مسئلہ میں بھی ہمارے اخوان اختلاف کرتے ہیں، خصوصاً وہ نوجوان جو سنت پر عمل کرنا محبوب جانتے ہیں۔آپ اس شخص کو دیکھیں گے جو جلسۂ استراحت کو سنت کہتے ہیں، اس آدمی سے نفرت کرتا ہے جو جلسۂ استراحت نہیں کرتا اور اس کے خلاف اس کے دل میں بغض وکینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ انتہائی غلط ہے، خطا ہے، جفا ہے۔آپ اس شخص سے کیوں نفرت کرتے ہیں جو سمجھتا ہے کہ یہ جلسۂ استراحت سنت نہیں ہے۔ اگر ہم اس کو آپ ہی کی ترازو سے تولنا شروع کردیں، تو ہم کہیں گے کہ وہ بھی آپ کو ناپسند کرسکتا ہے، کیونکہ اس کے خیال میں سجدہ سے سیدھے قیام کرنا سنت ہے۔

افسوس کہ اس طرح کے مسائل نوجوان طبقہ میں بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ مشاہدہ کیا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کو غلط ہی نہیں بتاتا، بلکہ اس سے بڑھ کر اسے

گمراہ کہتا ہے۔ ہم مذکورہ مسائل میں اپنی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پہلے مسئلہ کی طرف بھی کہ پہلے ہاتھ رکھنا چاہئے ، یا گھٹنہ ؟ تو میں کہتا ہوں اور جو میری تحقیق سے ثابت ہوا ہے، کہ جب جلسئہ استراحت کی ضرورت پڑے، تو وہ سنت ہے۔ علامہ موفق الدین صاحب المغنی اور علامہ ابن قیم رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی ظاہراً سنت بھی ہے، کیونکہ یہ فعل اور انسان کا قیام کے وقت اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگانا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قیام کرنے والا اس جلسہ کا محتاج ہے۔ اور دوسرا مسئلہ گھٹنے سے پہلے ہاتھ رکھنے کا، تو اس میں ہمارے خیال میں صحیح یہ ہے کہ ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھا جائے ، کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ ضعیف ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی ۱/ ۱۶۵) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ﴿**إذَا سَجَدَ فَلاَيَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ**﴾ (ابوداؤد، نسائی ۱/ ۱۴۹، احمد ۲/ ۳۸۱) ''آدمی جب سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنے سے پہلے رکھے''۔ تو ظاہر ہے کہ بقول ابن قیم رحمہ اللہ یہ حدیث مقلوب ہے۔ اور صحیح یہ ہے: ﴿**وَلْيَضَعْ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ**﴾ ''کہ اپنے گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے رکھے''۔ کیونکہ جب اونٹ بیٹھتا ہے، تو اپنے ہاتھوں کو پہلے رکھتا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ اونٹ کا اگلا حصہ پچھلے حصہ سے پہلے زمین کی طرف گرتا ہے ، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے : ﴿**فَلاَيَبْرُكْ عَلىٰ مَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ**﴾ ''اس پر نہ بیٹھے جس پر اونٹ بیٹھتا

ہے'' نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے: ﴿فَلَايَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ﴾ ''اس طرح نہ بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے'' فرمایا، اور ''ک'' یہاں صفت وہیئت دونوں میں تشبیہ کے لئے ہے۔اس طرح حدیث کا پہلا ٹکڑا آخری ٹکڑے کے موافق ہو جائے گا۔ **والله أعلم ، وَصَلّىٰ اللّٰهُ عَلىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أجْمَعِيْنَ۔**

محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ

مشتاق احمد کریمی

موسس وصدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

فراغت ترجمہ: ۲۹/۴/۱۴۱۹ھ مطابق ۲۱/ ۸/ ۱۹۹۸ء

بروز جمعہ بعد نماز عصر، **وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَبِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ**

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أمَّا بَعْدُ:

میرے پیارے بھائی! اسلام پیار ومحبت کا دین ہے، اس میں اخوت و بھائی چارگی کی خصوصی تعلیم دی گئی ہے۔ امن وشانتی، صلح وآشتی اور باہم اتحاد ویگانگت کا پیغام اگر کسی تعلیم میں نہ ہو، تو وہ اسلامی تعلیم نہیں ہوسکتی۔ یہی سبب ہے کہ اسلام میں جتنی زیادہ تاکید واہمیت باہم اتفاق واتحاد سے رہنے کو دی گئی ہے، اس سے کہیں زیادہ باہم اختلاف وافتراق، خلفشار وانتشار، فرقہ وگروہ بندی، آپس میں حقد وکینہ، بغض وحسد، عداوت ودشمنی اور کی مذمت کی گئی ہے۔ مگر بدقسمتی سے امت مسلمہ اس سے کہیں بڑھ کر اسی کا شکار وگرفتار ہے جس سے شدید طور پر منع کیا گیا ہے۔

آج